

## دینی مدارس میں تعلیم قرآن کا جامع اور صحیح طریقہ

یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ ہمارے ملک، برصغیر پاک و ہند کے پورے علاقے کی دینی درسگاہوں بلکہ سرکاری سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی، قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کا جو طریقہ عرصہ دراز سے رائج چلا آ رہا ہے، وہ ’ترجمہ قرآن کریم‘ کے نام سے معروف ہے۔ یہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے مرحلے میں تین چار سال تک جاری رہتا ہے۔ اور اس کی تدریس یوں ہوتی ہے کہ درس کے آغاز پر ایک طالب علم مقررہ آیات تلاوت کرتا ہے، پھر معلم ان آیات کریمہ کا اپنی مقامی زبان اُردو، پشتو یا سندھی وغیرہ میں ترجمہ سکھاتا ہے۔ وہ ان کا ترجمہ کرتے ہوئے ان میں مذکور مشکل الفاظ اور تراکیب کی حسبِ ضرورت تشریح بھی کرتا جاتا ہے۔ طلبہ اور طالبات اس ترجمہ اور تشریح کو نہایت توجہ اور انہماک سے سنتے ہوئے یاد کر لیتے ہیں۔ کچھ مدرسین اور شیوخ خصوصاً تفسیر قرآن کے مرحلے میں قرآنی مطالب کی تفسیر کو املا بھی کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور تفسیر کے اس منہج سے زیرِ تعلیم طلبہ کو مندرجہ ذیل تعلیمی اور دینی فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ

- ① وہ قرآن کریم کے لفظی اور بامحاورہ معنی سیکھ لیتے ہیں۔
- ② وہ قرآن کریم کے الفاظ اور تراکیب کو سمجھنے لگتے ہیں اور کسی حد تک ان کی لغوی، صرفی اور نحوی تشریح سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔
- ③ وہ قرآن حکیم کا ترجمہ اور تشریح نیز تفسیر پڑھ کر اس کے متن کے براہِ راست فہم و مطالعہ کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں، اور قرآنی احکام و ارشادات سے استفادہ کے اہل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان متعدد فوائد کی بنا پر ’ترجمہ قرآن حکیم‘ کا یہ مضمون ہماری تمام چھوٹی اور بڑی

درسگاہوں میں جاری و ساری ہے اور اس کی افادیت پر تمام علماء اور مدرسین کا اتفاق ہے۔

## تنقیدی نظر

میں اس امر سے اتفاق کرتا ہوں کہ ترجمہ قرآن کریم کی تدریس سے مذکورہ بالا فوائد حاصل ہوتے ہیں، اور اس مضمون کے مروجہ طریقہ تدریس کی اتنی افادیت مسلمہ امر ہے۔ لیکن قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کے یہ فوائد خود ناکافی اور محدود ہیں اور یہ اس کی تعلیم و تدریس کے کئی دیگر بنیادی تعلیمی مقاصد کا احاطہ نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ طریقہ تدریس عالمی سطح پر مسلمہ تعلیمی معیار پر پورا نہیں اُترتا اور بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے کم از کم لازمی تقاضوں کی تکمیل نہیں کرتا۔ چنانچہ انہی اسباب کی بنا پر ہمارے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے کئی اہم اور بنیادی گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اور مملکت پاکستان میں ہماری دینی اور تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے لئے جس سطح کے ماہر معلمین، اساتذہ، علما اور اسکالرز کی ضرورت ہے، ان کی تعلیم و تربیت میں بھی یہی ناقص طریقہ تدریس نافذ و غالب ہے، اس لئے بہتر نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ اس طریقہ تدریس کے فوائد کے مقابلے میں نقصانات زیادہ ہیں۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں زیر تعلیم بچوں کو قرآن کریم کی آیات کریمہ کا صرف مقامی زبان میں ترجمہ کرنے پر لگا کر قرآن کی آسان عربی زبان اور ادب کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور انہیں اس کو لکھنے یا بولنے کی کوئی تربیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ انہیں ایسی تربیت یا مشق سے کئی سال تک مسلسل لا تعلق رکھتے ہوئے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اتنا جامد کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ عربی زبان و ادب میں اچھی صلاحیت یا بلند مقام کا سوچ بھی نہیں سکتے، اور وہ اس کے بارے میں ہمیشہ کے لئے مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس لئے تعلیم قرآن کریم کے مروجہ طریقہ تدریس کی فوری اصلاح کرتے ہوئے اسے اپنے قومی اور ملی مقاصد اور تعلیم و تربیت کے جدید تقاضوں کے مطابق ترقی دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ میں دینی مدارس کے اساتذہ، مہتمم حضرات اور تعلیمی وفاقوں کے ذمہ دار بلند مرتبہ علمائے کرام اور شیوخ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری ان گزارشات پر توجہ فرمائیں۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله!

ہمارے دینی تعلیمی نظام کا اہم ترین مضمون تعلیم قرآن کریم ہے اور زیر تعلیم طلبہ و طالبات کو اس کی بہتر تعلیم و تفہیم کی خاطر انہیں عربی زبان و ادب اور حدیث و فقہ نیز اصول کے کئی علوم و فنون کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس لیے ایک ایسی جماعت جسے ہم مستقبل میں امت کی تعلیمی اور فکری قیادت کے لیے تیار کر رہے ہیں اور وہ عنقریب معلم، ادیب، مفتی و خطیب اور محدث و مفسر کی عظیم ذمہ داریوں کو سنبھالیں گے، اس کو کتاب اللہ اور فرقانِ حمید کی تعلیم و تدریس کا طریقہ اور منہج ایسا جامع، منظم اور مثالی ہونا چاہیے جو انہیں قرآنی الفاظ اور عبارتوں کا ترجمہ سکھانے کے ساتھ ساتھ ان کی عمدہ فکری، لسانی اور ادبی تربیت و مہارت کی اساس بن سکے۔

### صرف لفظی ترجمہ رٹنے کا متعدی مرض

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ تعلیم قرآن کریم کا یہ عظیم ترین مضمون، اس کی عبارت کا صرف لفظی اور زبانی ترجمہ رٹنے اور رٹانے تک محدود چلا آ رہا ہے اور تین چار سال تک اسی نہج پر چلتا رہتا ہے، اور ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا کہ اس مضمون کے دوسرے سال یا اگلے سالوں میں اس کے تعلیمی مقاصد یا تدریسی نہج میں مزید ترقی کرتے ہوئے اس میں مزید تعلیمی مقاصد کا اضافہ کر دیا جائے۔ نتیجتاً معلمین اور طلبہ و طالبات سب کی نظریں اسی لفظی ترجمہ کو پڑھنے، پڑھانے اور یاد کرنے تک مرکوز اور محدود رہتی ہیں۔ رہا قرآن کریم کا اصل عربی متن تو وہ ان سب کی نظروں سے اس قدر اوجھل رہتا ہے کہ اس پورے عرصے میں انہیں اس کی عبارتوں، استعمالات اور الفاظ کے فہم و مطالعہ پر کوئی بحث یا مشق نہیں کرائی جاتی۔ اس لیے وہ قرآن کریم کے نہایت آسان عربی استعمالات اور محاوروں سے بھی ناواقف رہتے ہیں اور مشہور قرآنی افعال کے مادوں اور ان کے صلوات تک کو نہیں سمجھتے۔

ہماری اسلامی درسگاہوں میں تعلیم قرآن ایسے بنیادی اور اہم اسلامی مضمون کا یہ جو دنسل درنسل چلا آ رہا ہے اور اس نے ہمارے لاکھوں ذہین اور محنتی نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر کئی منفی اثرات ڈالے ہیں جن میں سے سب سے زیادہ نمایاں نقصان یہ ہے کہ ان لاکھوں نوجوانوں کو کتابِ حکیم کی عربی زبان و ادب کے فہم و مطالعہ سے اس حد تک محروم رکھا جاتا ہے کہ اس کی تدریس تین چار سال کا طویل عرصہ جاری رہنے کے باوجود معلمین یا طلبہ کو اس پر

عربی زبان میں چند صفحات لکھنے یا بولنے کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ آپ کو شاید دنیا کے کسی ترقی یافتہ تعلیمی نظام میں کسی کتاب یا کورس کا محض لفظی ترجمہ رٹانے کے اس جمود کی ایسی کوئی مثال نہ ملے جو ہماری درسگاہوں میں سالوں تک جاری رہتا ہے۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ جمود عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ عام لوگ جو کسی مستند تعلیمی درسگاہ میں نہ پڑھتے ہوں، وہ اگر اپنی کاروباری مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر صرف ترجمہ قرآن کریم پڑھیں تو یہ ان کے لیے بہت کام کی بات ہے، کہ وہ اس طرح قرآن کریم کے الفاظ کا لفظی ترجمہ یاد کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات سے آگاہ ہو رہے ہیں۔ لیکن جس گروہ نے اپنی عمروں کا بہترین وقت کسب و تعلم کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور وہ اسلامی تعلیم اور عربی زبان کے تمام بنیادی علوم و فنون کو سالہا سال پڑھیں گے اور مستقبل میں بلند علمی مناصب پر فائز ہوں گے، کیا وہ بھی ان عام لوگوں کی طرح سالوں قرآن کریم کا صرف لفظی ترجمہ ہی رٹتے رہیں؟

ایسی صورتحال میں یہ لازمی اور مفید ہوگا کہ جب ان میں مناسب صلاحیت کے ساتھ ساتھ وقت کی گنجائش بھی ہوتی ہے تو انہیں اس کتاب حکیم کا مقامی زبان میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اس کی آسان اور مبارک عربی لغت، محاوروں اور استعمالات پر مفید معلومات بھی فراہم کی جائیں اور پھر ان معلومات کو ان کے ذہنوں میں راسخ کرنے اور ان کے عملی استعمالات کی تربیت دینے کی غرض سے ان سے متنوع مشقیں حل کرائی جائیں۔

### ہم تعلیم قرآن اور عربی زبان کے اچھے معلم کیوں تیار نہ کر سکے؟

ہماری عظیم درسگاہوں میں کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس جس سادہ اور ناقص طریقے پر چلی آرہی ہے اسکے مضر اثرات کی وسعت کا جائزہ لینے کے لئے ان پہلوؤں پر غور کرنا مفید ہوگا:

① ہمارے طلبہ اور طالبات اپنی نوعمری میں پوری لگن اور شوق سے اپنا تعلیمی سفر شروع کرتے ہیں، اس لئے یہ ان کی عمدہ تعلیم، بہتر تربیت اور تخلیقی صلاحیتوں کی اچھی نشوونما کا سنہری موقعہ ہوتا ہے، اور انہیں عربی زبان کو لکھنے اور بولنے کا ابتدائی سلیقہ اور تربیت دینے کا بھی یہی فطری وقت ہوتا ہے، لیکن چونکہ ہماری درسگاہوں میں مروجہ طریقہ تدریس کا زیادہ

زور عربی عبارتوں کا لفظی ترجمہ رٹنے اور صرف ونحو کی گردانوں اور قواعد کو استعمالات کے بغیر یاد کرنے پر ہی رہتا ہے، اس لئے ہمارے نہایت ذہین اور سختی بچے بھی عربی ایسی آسان زبان کو لکھنے اور بولنے کی مشق نہیں کرتے۔ اور وہ قدرتی طور پر اس پہلو میں جمود کا شکار ہوتے ہیں جو آگے جا کر عملی زندگی میں ان کے لئے طرح طرح کی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اس وقت جو طریقہ تدریس ہمارے ہاں رائج ہے، اس میں طالب علم سورہ فاتحہ سے لے کر سورہ ناس تک پڑھتے ہوئے عربی میں چند صفحات بھی لکھنے کی مشق نہیں کرتا۔

② پھر اس ایک مضمون کے طریقہ تدریس کی پسماندگی صرف اس ایک مضمون تک محدود نہیں ہے، بلکہ اکثر معلمین تعلیم و تدریس کے فن سے نا آشنا ہوتے ہیں اور مدارس کی انتظامیہ بھی انہیں فن تعلیم میں تربیت اور تدریب کے مواقع فراہم نہیں کرتی، اس لئے وہ اس پرانے طریقہ تدریس کو آسان اور چلتا ہوا سمجھ کر خیال کرتے ہوئے اپنائے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت ہماری درسگاہوں میں اکثر مضامین کی تدریس اسی لفظی اور زبانی ترجمہ اور تشریح تک محدود رہتی ہے اور یہ طرز تدریس سال اول سے لے کر الشهادة العالمية اور الشهادة العالمية تک بلکہ اس سے بھی آگے تخصص کی اقسام (تخصص فی التفسیر، تخصص فی الحدیث، تخصص فی الفقہ، تخصص فی الافتاء وغیرہ) اور یونیورسٹی کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کورس میں بھی جاری رہتا ہے۔ یوں کاہلی اور جمود کا یہ متعدی مرض نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے۔

③ ہمارے عربی مدارس اور اسلامی درسگاہوں میں رائج اس ناقص اور مضر طریقہ تدریس کا ایک وسیع اور قومی سطح کا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ یہ درسگاہیں آج تک سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں اور کالجوں میں عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کی معیاری تدریس کے لئے اچھے معلمین اور اساتذہ تیار نہیں کر سکیں، کیونکہ جن معلمین نے خود ایسے ماحول میں تعلیم پائی ہوتی ہے، وہ عملی زندگی میں تدریس کے جدید اور ترقی یافتہ انداز اپنانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ یہ مسلمہ قاعدہ ہے: فاقد الشيء لا يعطيه (جو شخص خود کسی خوبی

سے محروم ہو، وہ اسے دوسروں کو نہیں دے سکتا)۔ انہی اسباب کی بنا پر ہم قیام پاکستان کے بعد آج تک ماہر معلمین اور اساتذہ کی تیاری کے اس خلا کو پر نہیں کر سکے۔

### اپنا مختصر تعارف

چونکہ زیر بحث مسئلہ ملک بھر کے اسلامی مدارس کے نظامِ تعلیم سے متعلق ہونے کی وجہ سے نہایت اہم ہے اور عمیق غور و فکر کا متقاضی ہے، اس لئے میں اس موقع پر محترم علماء اور اساتذہ کی اطلاع اور اطمینان کے لئے اپنا مختصر تعارف عرض کرنا مفید خیال کرتا ہوں۔

میں یہ گذارشات بتوفیقہ سبحانہ و تعالیٰ تعلیم و تربیت کے میدان میں اپنے طویل تجربات اور غور و فکر کی روشنی میں ان عظیم اسلامی درسگاہوں کو بہتر علمی و تعلیمی ترقی دینے کی غرض سے پیش کر رہا ہوں۔ میں خود متعدد اسلامی درسگاہوں کا بانی ہوں، اور دن رات ان کے بہتر اور ترقی یافتہ نصاب کی ترتیب و تصنیف میں مشغول رہتا ہوں۔ ماضی میں ملت کے جن اکابر علماء اور مفکرین سے میرا کسی طرح کا تعلق رہا ہے، میں ان کی قیمتی آرا سے استفادہ کرتے ہوئے ہی اسلامی علوم اور عربی زبان کی خدمت کر رہا ہوں۔ ان میں اولاً میرے اساتذہ مولانا عبدالغفار حسن، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا معاذ الرحمن، مولانا عبداللہ امرتسری، مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل اور مولانا مفتی ابوالبرکات مدراسی ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالرحیم اشرف، مولانا مفتی محمد شفیع (ان کی جو تقریر اب 'وحدت اُمت' کے عنوان سے چھپتی ہے، اسے انہوں نے پہلی بار مولانا عبدالرحیم اشرف کی درخواست پر ہمارے ادارے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں بیان فرمایا تھا، پھر راقم نے اسے کیسٹ سے قرطاس پر منتقل کیا تھا)، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا خلیل احمد حامدی، مولانا عطاء اللہ حنیف نیز مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی، اور مُعلِّم الانشاء کے مؤلف مولانا عبدالماجد ندوی اور اسی طرح اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کے وائس چانسلر اور سعودی عرب کے مفتی اکبر شیخ عبدالعزیز بن باز، الطريقة الجديدة کے مؤلف ڈاکٹر احمد امین مصری کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

رحمہم اللہ جمیعاً وغفر لہم ورفع درجاتہم!

میں ۱۹۷۳ء کے آخر میں اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں اعلیٰ تربیتی کورس کے لئے گیا تو میرے ہمراہ محترم ڈاکٹر شیر علی اور مولانا محمود اشرف بھی تھے۔ میں اس سے پہلے ہی پاکستان میں عربی زبان اور دیگر اسلامی علوم کی جدید نچ پر تدریس کر رہا تھا۔ مولانا عبدالرحیم اشرف کی سرپرستی میں سات آٹھ سال جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں بہت عمدہ تجربات ہوئے اور یہیں سے نصابی کتابوں کی تصنیف شروع کی۔ بعد ازاں چند ماہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تنظیم اسلامی اور جامعہ اشرفیہ میں عربی زبان کی تدریس کرتا رہا۔ وہاں کے بزرگوں مولانا عبید اللہ، مولانا عبدالرحمن اشرفی اور مولانا حافظ فضل الرحیم سب کا اعتماد اور تعاون حاصل رہا۔

اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران مولانا ابوالحسن علی ندوی سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی تو ان سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اس وقت کے نصابِ تعلیم اور برصغیر پاک و ہند میں عربی زبان و ادب کی اشاعت پر تبادلہ خیال ہوتا۔ وہ اکثر میری سوچ اور جذبہ عمل کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ ایک بار انہوں نے حرمِ مکی میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”بشیر صاحب! مملکتِ پاکستان میں عربی زبان کے ایک سپاہی کی ضرورت ہے اور وہ آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ لہذا سفارت خانے کی ملازمت کو چھوڑ کر پاکستان جائیے۔“

میں پہلے ہی اسی نظریے کو لے کر عالمِ عرب میں عربی زبان و ادب کی ترقی کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کی غرض سے سعودی عرب گیا تھا۔ مزید کسی ڈگری یا ملازمت کا حصول میرا مقصد نہ تھا۔ اس سے قبل ان کی تصنیف ’پاجا سراغ زندگی‘ پڑھ چکا تھا اور اس سے متاثر تھا، اس لئے ان کی اس رائے سے میرے پرانے تصور کو تقویت ملی۔ چنانچہ میں نے جدہ کے پاکستانی سفارتخانے میں ملازمت کے دنوں میں اقرأ الجزء الاول کا مسودہ تیار کر لیا تھا اور الجزء الثانی کی ترتیب جاری تھی۔

آخر میں اپنے مہربان دوست اور تعلیمِ عربی کے عالمی ماہر جناب ڈاکٹر ف عبدالرحیم مؤلف کتاب دروس اللغة العربية (تین حصے) کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کے ساتھ سعودی عرب میں اپنے قیام کے دوران اور کئی تعلیمی کانفرنسوں میں تبادلہ خیال کا موقع ملا اور ان کے تجربات سے استفادہ کیا۔

## پس چه باید کرد؟

اسلامی مدارس کے ابتدائی سالوں میں جو طلبہ اور طالبات عربی زبان اور اسلامی تعلیم کے مختلف علوم و فنون پڑھتے ہیں، انہیں کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس جدید تعلیمی نظریات اور تجربات کے مطابق اور عالمی سطح پر مسلمہ اور معیاری طریقہ تدریس کے مطابق کی جائے جس کا خاکہ ذیل میں دیا جا رہا ہے..... واللہ الموفق والمستعان!

**اولاً:** اس مضمون کا موجودہ عنوان 'ترجمہ قرآن کریم' بدل کر اسے 'تعلیم القرآن الکریم' یا 'تدریس القرآن الکریم' کا نام دیا جائے۔

**ثانیاً:** ان طلبہ اور طالبات کے لئے تدریس القرآن الکریم کے ہر سبق میں درج ذیل تین اجزا یا حصے ہوں گے:

۱. شرح الکلمات ۲. ترجمة الآيات وشرحها ۳. المناقشة

**۱. شرح الکلمات:** معلم ہر سبق کے شروع میں اس کی مقررہ آیات کریمہ کے الفاظ اور تراکیب کی لغوی تشریح کو تختہ سیاہ پر لکھے تاکہ بچے اسے اپنی کاپیوں میں درج کریں۔ اس جز کے تیس (۳۰) نمبر ہوں گے۔

**2. ترجمة الآيات وشرحها:** بعد ازاں معلم ان آیات کریمہ کا مقامی زبان میں ترجمہ کرے گا اور بچوں کے معیار کے مطابق ان کی تشریح کرے گا۔ اس ترجمہ کے پچیس (۲۵) نمبر اور تشریح کے پندرہ (۱۵) نمبر ہوں گے۔ یوں اس جز کے کل چالیس (۴۰) نمبر ہوں گے۔

**3. المناقشة:** آخر میں معلم ان آیات کریمہ کے جملوں اور مضمون پر زیر تعلیم بچوں کے معیار کے مطابق آسان عربی زبان میں سوالات تختہ سیاہ پر لکھے گا اور بچے ان سوالات کے عربی میں جواب دینے کی زبانی مشق کریں گے اور بعد میں ان سوالات اور ان کے جوابات کو اپنی کاپیوں میں لکھیں گے۔ اس جز کے تیس (۳۰) نمبر ہوں گے۔

## ① مجوزہ تبدیلیاں

ملکی درسگاہوں میں کتاب اللہ کی ایسی معیاری اور جامع تدریس کے لئے ہمیں اس کے موجودہ طریقہ تدریس میں درج ذیل دو بڑی تبدیلیاں کرنا ہوں گی:

## ① قرآن کریم کے الفاظ کی لغوی تشریح کو بہتر اور منظم اسلوب میں پڑھایا جائے: اس وقت

ترجمہ قرآن کریم پڑھاتے ہوئے اکثر معامین قرآنی الفاظ کی جو تشریح کرتے ہیں، وہ بہت کم اور سرسری ہوتی ہے، اور وہ بھی اکثر زبانی بتادی جاتی ہے اور بچوں کو املا نہیں کرائی جاتی، الا ماشاء اللہ۔ اس لئے اس سے زیر تعلیم بچوں کے ذہنوں میں لغوی معلومات کو راسخ کرنے میں چنداں مدد نہیں ملتی۔ یہ سلسلہ بہر حال کم سن بچوں کی تعلیم و تربیت میں بہت مفید ہے۔ اس لئے اسے زیادہ مؤثر اور منظم صورت دینے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے دو باتوں کو واضح اور متعین کر لیا جائے۔

۱۔ ان مطلوبہ لغوی معلومات کا دائرہ متعین کر لیا جائے۔ اور

۲۔ پھر انہیں جماعت کے طلبہ کو پیش کرنے کا طریق کار واضح کر دیا جائے۔

### ۱. مطلوبہ لغوی معلومات

۱. شروع میں صرف مشہور اور کثیر الاستعمال عربی افعال کا ماضی، مضارع، مصدر اور معنی بتائے جائیں۔

۲. اگر آیت کریمہ میں اسم مفرد استعمال ہوا ہے تو اس کا معنی اور جمع بتائی جائے، اور جمع کی صورت میں اس کا معنی اور مفرد بتایا جائے، وغیرہ۔

جبکہ دو تین پارے پڑھنے کے بعد ان میں درج ذیل معلومات کا اضافہ کر لیا جائے:

۱. مشہور افعال کے صلوات یعنی ان حروف جر کا بتایا جائے جو ان افعال کو متعدی بنانے کے

لئے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً قال کے بعد ل استعمال مثلاً وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ

۲. قرآن کریم میں مستعمل متضاد کلمات نیز مترادف کلمات بتائے جائیں۔

۳. اس مرحلے پر نسبتاً مشکل افعال اور اسماء کی تشریح بھی کی جائے۔

۴. لغت قرآن، صرف و نحو نیز علم بلاغت کی آسان اور عام فہم دیگر ایسی معلومات جنہیں معلم

بچوں کے معیار کے مطابق مناسب تصور کرے، بھی لکھوائی جائیں۔

(مزید راہنمائی اور نمونے کے لئے دیکھئے: دلیل قصص التیسین، جزاؤل، دوم اور سوم)

## 2. طریقہ کار

ان لغوی معلومات کو بچوں کو اس طریقے پر پڑھایا جائے:

1. معلم سبق پڑھانے سے قبل مقررہ آیات کے منتخب الفاظ کی تشریح تیار کر کے لائے۔
2. اور وہ اسے درس کے شروع میں بچوں کے سامنے تختہ سیاہ پر لکھے۔

3. اور بچے اسے آواز سے پڑھتے ہوئے یاد کریں اور اپنی کاپیوں میں لکھیں۔

4. اور معلم اس امر کا اہتمام کرے کہ تمام بچے ان معلومات کو اپنی کاپیوں میں لکھیں۔

### ② عربی زبان کے استعمالات اور سوال و جواب کی موثر تربیت دی جائے: قرآن کریم کی

عربی زبان نہایت آسان اور سلیس ہے۔ اس کے الفاظ سہل اور عام فہم ہیں اور زیادہ تر چھوٹی چھوٹی ترکیبات، مختصر جملے اور بیٹھے بیٹھے بول ہیں۔ پھر اہل زبان کے ہاں انتہائی معروف و مشہور محاورے اور استعمالات، اور اُسلوب بیان اس قدر عام فہم کہ اوسط درجے

کا قاری اسے بخوبی سمجھ لے۔ اس کی اس خوبی کو خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے

﴿وَأَنَّهُ لَتَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَلَمِينَ \* نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ \* عَلَي قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ \* بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵)

نیز فرمایا ﴿وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ (الاحقاف: ۱۰۳)

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہم عجمی مسلمان ہیں اور ہماری مادری اور قومی زبان عربی نہیں ہے۔

اس لئے ہمارے بچے قرآن کریم کی عبارت کو براہ راست عربی میں نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن ہم اپنی اس کمزوری کے ازالے کی خاطر اپنے زیر تعلیم بچوں کو قرآن کریم کے ابتدائی فہم کے لئے

① اس کے الفاظ، ترکیبوں، اور مشہور محاوروں اور استعمالات کی مناسب تشریح اور معنی یاد

کراتے ہیں۔ نیز ② انہیں اس کی آیات کریمہ کا پورا ترجمہ پڑھاتے ہیں۔ تو اب ان کے

لئے کتاب اللہ کے ابتدائی فہم و مطالعہ کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ پھر ③ اس حقیقت کو مد نظر

رکھیں کہ وہ ایک دینی درسگاہ کے طلبہ اور طالبات ہیں اور ابتدائی عربی زبان (نثر و نظم) کے کئی

اسباق نیز علم صرف، علم نحو اور دوسرے کئی ایسے مضامین پڑھ رہے ہیں جو عربی زبان کے فہم اور

استعمال میں معاون اور خادم ہیں۔ اس لئے اب وہ قرآن کریم کے اسباق میں ابتدائی سطح کی

آسان عربی زبان میں سوال و جواب اور دیگر ایسی مشقوں کو حل کرنے کی اچھی قدرت رکھتے ہیں، جو ان کی مزید علمی اور لسانی ترقی میں معاون بنیں گی۔

اس لئے اس مرحلے پر معلم قرآن مجید کی آیات کریمہ کے مضمون اور جملوں پر آسان عربی میں سوالات تیار کرے اور انہیں تختہ سیاہ پر لکھے۔ بچے انہیں سمجھیں اور پھر عربی میں ان کے جوابات بولیں۔ جہاں ضرورت ہو تو معلم ان کی مدد کرے۔ بعد میں بچے سوال و جواب کی ایسی مشقوں کو اپنی کاپیوں میں لکھیں گے اور معلم ان کی تصحیح کرے گا۔

جبکہ اس کورس کے تیسرے اور چوتھے سال میں طلبہ سبق کی مقررہ آیات کا عربی زبان میں مختصر خلاصہ بھی پیش کیا کریں گے۔

### 📌 سورۃ فاتحہ کی تدریس کی مثال

اب میں اپنی معروضات کو مزید واضح کرنے کے لئے اس مجوزہ تدریسی خاکے کے مطابق سورۃ فاتحہ کی تدریس کی مثال پیش کرتا ہوں:

۱. شرح الكلمات: معلم سبق کے شروع میں سورۃ فاتحہ کے الفاظ کی درج ذیل تشریح کو تختہ

سیاہ پر لکھے گا جسے طلبہ مناسب آواز سے پڑھتے ہوئے اپنی کاپیوں میں لکھیں گے۔

أَعُوذُ فِيهَا مَا لَمْ يَلْمَأَزَمِيهِ مِنْ شَيْءٍ

بِاللَّهِ الَّذِي

بِسْمِ نَامٍ سَ (اصل میں بِاسْمِ تَہَا)

الرَّحْمَنِ بِهَتْ زِيَادَه رَحْمَ كَرِيْوَالَا الَّذِي يَرْحَمُ كُلَّ شَيْءٍ

الرَّحِيمِ سَدَارَحْمَ كَرْنِ وَالَا الَّذِي يَرْحَمُ دَائِمًا وَأَبَدًا

الْحَمْدُ سَبَّ تَعْرِيفِيْنَ حَمْدٌ يَحْمَدُ حَمْدًا تَعْرِيفِيْنَ كَرْنَا

رَبِّ پروردگار جمع اَرْبَابِ الْعَالَمِيْنَ جِهَانُوْنَ مَفْرَدِ عَالَمٍ

يَوْمَ دِنٍ جمع أَيَّامِ الدِّيْنِ بَدَلَهٗ اِيَّاكَ صَرْفِ تِيْرِيْ هِيْ

نَعْبُدُ هَمْ عِبَادَتِ كَرْتِ هِيْنَ عَبَدٌ يَعْبُدُ عِبَادَةً عِبَادَتِ كَرْنَا

نَسْتَعِيْنُ هَمْ مَدَدِ مَانَكْتِ هِيْنَ اسْتَعَانَ يَسْتَعِيْنُ اسْتِعَانَةً مَدَدِ مَانَكْنَا

إِهْدِنَا آف هَامَرَى رَهْنَمَائى كَرىس هَدْى يَهْدى هُدَى رَهْنَمَائى كَرِنَا  
 الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سِيدْى رَاه وَهُوَ سَبِيلُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ  
 اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ جِن پَر تَوْنِ اَنْعَامِ كَيَا اَنْعَمَ يَنْعَمُ اِنْعَامًا اَنْعَامَ كَرِنَا  
 غَيْرِ وَه لُوْكَ نَهِيں الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ جِن پَر غَضَبِ هُوَا  
 الضَّالِّينَ كَمْرَاه لُوْكَ اَمِيْن قَبُوْل فَرْمَا

2. ترجمۃ الآيات: پھر معلم جماعت کو اپنی مقامی زبان میں ترجمہ پڑھائے گا اور زیر تعلیم بچوں کے معیار کے مطابق اس کی تشریح کرے گا۔

### 3. المناقشة :

التمرين الأول: اب تیسرے مرحلے پر معلم تختہ سیاہ پر سورہ فاتحہ کے بارے میں عربی میں درج ذیل سوالات لکھے گا جنہیں طلبہ مناسب آواز سے پڑھتے ہوئے اپنی کاپیوں میں درج کریں گے:

1. لمن الحمد؟ (الحمد لله)
2. من رب العالمين؟
3. من رب الإنسان؟
4. من رب الحيوان؟
5. من رب السموات؟
6. من رب الأرض؟
7. من الرحمن؟
8. من الذي يرحم كل شيء؟
9. من الرحيم؟
10. من الذي يرحم دائماً وأبداً؟
11. من نعبد؟
12. من نستعين؟
13. من يهديننا الصراط المستقيم؟
14. من يجب دعائنا؟

سوالات کی تحریر سے فراغت کے بعد معلم جماعت کو ان کے عربی میں جواب دینے کی مشق کرائے گا اور حسب ضرورت ان کی مدد بھی کرے گا۔ بعد میں بچے سوال و جواب کی اس مشق کو اپنی کاپیوں میں حل کر کے لائیں گے جنہیں معلم چیک کر کے ضروری تصحیح کرے گا۔

التمرين الثاني: اب معلم طلبہ سے کہے کہ وہ اپنی کاپیوں میں الحمد لله کی طرح کے عربی میں دس جملے لکھیں، مثلاً

۱ . الحمد لله

۲ . التحیات لله

۳ . الشکر لله

۴ . الأرض لله وغیرہ

**معلم کے لئے مزید مشق:** اگر معلم چاہے اور وقت کی گنجائش موجود ہو تو طلبہ کو کہے کہ وہ اوپر کی مشق میں اپنے تمام عربی جملوں کے ترتیب وار سوالات بنائیں اور ان کے سامنے جوابات لکھیں، مثلاً

۱ . لِمَنْ الحمد؟

۲ . لمن التحیات؟ وغیرہ

**خلاصہ:** آپ دیکھ رہے ہیں کہ الحمد لله ان آسان مشقوں کو حل کرتے ہوئے بچے قرآنی عربی زبان کے پچاس ساٹھ جملے باسانی لکھ اور بول رہے ہیں۔

### ۳ بحث کے نتائج

① اس وقت اسلامی مدارس میں تعلیم قرآن کریم کا مروجہ طریقہ تدریس (ترجمہ قرآن کریم) اس کی تعلیم و تدریس کے صرف چالیس فیصد (۴۰) مقاصد کو پورا کر رہا ہے جبکہ ساٹھ فیصد (۶۰) مقاصد کو نظر انداز کرتا ہے، اس بنا پر ہمارے طلبہ اور طالبات کی تعلیم و تربیت کے کئی اہم گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں۔

② قرآن کریم کی عربی زبان اور اسلوب بیان نہایت آسان اور پرکشش ہونے کے باوجود ہمارا طریقہ تدریس اور معلمین زیر تعلیم بچوں کو ان کے عملی استعمال اور لکھنے بولنے کی تربیت نہیں دیتے جس کے نتیجے میں وہ اپنی نوعمری میں اس نقص سے برا اثر لیتے ہوئے جمود کا شکار ہو جاتے ہیں۔

③ اپنے طلبہ اور طالبات کی بہتر اور معیاری تعلیم و تربیت کے لئے اس ناقص طریقہ تدریس کی فوری اصلاح کرتے ہوئے اسے جدید تعلیمی تجربات اور تحقیق کے مطابق ازسرنو ترتیب دینا ضروری ہے۔

④ اگر ہم اپنی درسگاہوں کے اس طریقہ تدریس کی مناسب اصلاح اور ترقی کا اہتمام کر لیں تو ان کے طلبہ اور طالبات کی علمی صلاحیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ان درسگاہوں کا مقام اور وقار بڑھے گا۔

۵ اور ان کے فضلا کے لئے اندرون و بیرون ملک مختلف میدانوں میں کام اور ترقی کے وسیع اور اچھے مواقع میسر ہوں گے، اور وہ چھ یا آٹھ سالہ تعلیمی کورس مکمل کرنے کے بعد نہیں، بلکہ صرف تین سالہ کورس کرنے کے بعد بھی عربی زبان اور اسلامیات کے اچھے معلم ثابت ہوں گے، نیز وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے عرب دنیا کی کسی یونیورسٹی میں داخلے کے اہل ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ و هو الموفق والمستعان!

## ۲ تقاضے اور ضروریات

كما لا يخفى على السادة العلماء والمدرسين قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کو ترقی دینے کی اس تجویز پر اگر صدق دل اور محنت سے عمل کیا گیا تو یہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری عظیم اسلامی درسگاہوں کے نصابِ تعلیم، طریقہ تدریس اور مجموعی ماحول میں ایک مثبت اور تعمیری انقلاب کا ذریعہ بنے گی، اور ان کے اسلامی اور ملی کردار اور عظمت میں اضافہ ہوگا۔ اس لئے محترم علماء اور مدرسین کو کتاب اللہ اور دوسرے علوم شرعیہ کی تدریس میں موجود اس دیرینہ نقص کا فوری ازالہ کرتے ہوئے اپنے طلبہ اور طالبات کی زیادہ معیاری تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس اصلاحی مہم میں ایسے حضرات کو موثر کردار ادا کرنا چاہئے جو ان عظیم اسلامی درسگاہوں کے ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں، خصوصاً وہ حضرات جنہوں نے الجامعة الإسلامية العالمية اسلام آباد، الجامعة الإسلامية مدینہ منورہ اور مکہ، ریاض یا قاہرہ وغیرہ کی دوسری یونیورسٹیوں اور اداروں سے کسب فیض کیا ہے۔

البتہ اس تجویز کے مناسب اور موثر نفاذ کے لئے دو چیزوں کی فوری ضرورت ہوگی:

① قرآن کریم کی ایسی تدریس میں معلمین اور طلبہ و طالبات کی رہنمائی اور مدد کے لئے مناسب دلیل یا مرشد المعلم (teacher's guide) کی تیاری۔ الحمد للہ معہد اللغة العربية میں اس کی تیاری اور تصنیف پر چند سالوں سے کام جاری ہے۔

② قرآن کریم کی اس نہج پر تعلیم و تدریس کی رہنمائی کیلئے معلمین اور معلمات کو کم از کم دو ہفتے کی تعلیمی تربیت دی جائے۔ یہ عملی تربیت وفاق کی سطح پر بھی دی جاسکتی ہے۔

وفاق المدارس السلفیہ نے گذشتہ ماہ (۲۶ اپریل تا یکم مئی ۲۰۰۸ء) فیصل آباد میں ۱۵۰ معلمین

اور معلمات کی تربیت کا پہلا کورس مکمل کراتے ہوئے اس میدان میں پہل کر دی ہے۔ ان عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے تربیتی کورسز کے انعقاد سے ہماری درس گاہوں کی بہتر تعمیر و ترقی کے راستے کھلیں گے اور ان کے فضلا کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر زیادہ پذیرائی حاصل ہوگی۔ ان کورسز کے انعقاد کیلئے موجودہ حکومت اور جامعة الدول العربیة (عرب لیگ) سے مناسب مالی اور فنی امداد بھی لی جاسکتی ہے..... ان شاء اللہ تعالیٰ

### باپ نے حج نہیں کیا، بیٹا اس کی زندگی میں حج کر سکتا ہے؟

سوال: باپ حیات ہو اور اُس نے حج نہ کیا ہو تو کیا ایسی صورت میں بیٹا حج کر سکتا ہے؟

جواب: اگر بیٹا باپ سے علیحدہ ہو تو اس کی کمائی الگ ہو تو وہ اپنے روپے سے حج کر سکتا

ہے اور اس کا حج صحیح ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتِطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: 9۷)

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں پر حج (فرض) ہے جو بیت اللہ شریف کی طرف پہنچنے کی طاقت رکھتے ہیں۔“

بیٹا چونکہ اپنے مال سے بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے لہذا اس آیت کی رو سے اس

کے ذمہ حج ضروری ہے۔ رہا یہ سوال کہ بیٹے کی کمائی باپ کی ہے، تو یہ اس صورت میں ہے کہ

باپ محتاج ہو جائے اور اپنا خرچ نہ اٹھا سکے تو بیٹے کے مال سے بقدر ضرورت لینے کا حقدار ہے،

نہ یہ کہ بیٹے کے مال کا باپ حقیقتاً مالک ہے اور حدیث میں جو الفاظ «أنت و مالك لأبيك»

آئے ہیں، ان کا یہی معنی ہے کہ باپ بیٹے کے مال سے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اگر وہ

خود بیٹے کے مالک ہوتا تو وراثت میں چھٹا حصہ کیوں لیتا؟ اگر مسائل کا یہ مطلب ہے کہ کمائی

باپ کی ہے اور مالک باپ ہے اور بیٹا ویسے ہی بطور اولاد ہونے کے باپ کے تحت کام کرتا

ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ ہی بیٹے کو حج کرائے، جو درست نہیں۔

اگر باپ نے اپنا حج نہ کیا ہو تو بیٹے کا حج ہو جائے گا لیکن باپ کے ذمہ رہے گا۔ اگر زندگی

میں حج کر لیا تو اس کے ذمہ سے اتر گیا ورنہ جو وعید تارک حج کے لئے ہے یعنی یہودی ہو کر مرا

یا نصرانی ہو کر، تو باپ اس کا مستحق ہوگا۔ (فتویٰ حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ج ۲ ص ۵۷۷)